© rasailojaraid.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نظرات

جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ہندوستان کے مشہور اور مبصر عالم ہیں۔ جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن کے شعبۂ دینیات کے صدر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے اہم رکن ہیں۔ سینکڑوں علمی مقالات اور متعدد وقیع کتابوں کے مصنف کی حیثیت سے اسلامی ہند کے علمی اور دینی طبقوں میں آپ کی شخصیت نمایاں تر ہے۔ خیالات، اندازِ فکر، اور عمل کے اعتبار سے بالکل قدیم الوضع ہیں۔ جن پر تجدد کا ذرا سا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دینیات اور اسلامی تعلیم کے معاملہ میں آپ کی دقت اور وسعتِ نظر مسلم ہے۔ اب مولانا موصوف کی ان تمام حیثیتوں کو پیشِ نظر رکھیے اور پھر آپ کا مندرجۂ ذیل بیان ملاحظہ فرمائیے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ جو حضرات علماء مدارسِ عربیہ کی چہار دیواری میں بند نہیں ہیں اور جنھوں نے اسلامی علوم و فنون اور مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ تحقیق اور وسعتِ نظر کے ساتھ کیا ہے اور جو عہدِ حاضر کے مقتضیات کی روشنی میں مسلمانوں کی تعلیمی مشکلات کا کوئی کامیاب حل دریافت کرنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں ان کا اندازِ فکر کیا ہے اور زمانہ کی ضرورتوں کے احساس نے ان میں کیسا عظیم الشان ذہنی انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ جناب مولانا تحریر فرماتے ہیں۔

> "اصولاً خاکسار یہ دینی اور دنیوی دو قسم کی مستقل تعلیم گاہوں ہی کا مخالف ہے تعلیم میں ثنویت بالکل یورپ کی نئی چیز ہے۔ ورنہ عہدِ اسلامی میں ہر جگہ ایک ہی نظامِ تعلیم کو مسلمانوں نے دینی اور دنیوی علوم دونوں کے لئے کافی خیال کیا تھا۔ ہمارے ملک کا درسِ نظامیہ دینیات کا نصاب سمجھا جاتا ہے۔ لیکن کیا واقعہ میں وہ دینیات کا نصاب تھا یا اس وقت ہے۔ چند اوراقی فقہی متون کو اگر مستثنیٰ کر دیا جائے تو لے دے کر دینیات کی واقعۃً کل تین کتابیں اس نصاب میں شریک تھیں۔ قرآن کے لئے جلالین، حدیث کے لئے مشکوٰۃ اور فقہ کے لئے ہدایہ کے آخر میں شرح وقایہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے اولین کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے ہمیشہ کافی خیال کیا گیا۔ اور میرا خیال تو اب بھی یہی ہے کہ ان تین کتابوں کی تعلیم اب بھی کافی ہے۔ دینیات کو صحیح طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے لئے دراصل ضرورت ہے کہ غیر دینی علوم کے ذریعہ سے لوگوں کے دماغ میں پہلے بلندی پیدا کی جائے۔ ملا نظام الدین صاحب نے اس مقصد کو پیش نظر رکھکر اپنے نصاب میں بیسیوں کتابیں معقولات کی رکھی تھیں منطق، فلسفہ، اقلیدس، ہیئت، حساب اور ادبیات عربی و فارسی ان چیزوں سے دماغ کو بنایا جاتا تھا۔ پھر دینیات (تفسیر، حدیث، فقہ) کی ایک ایک کتاب کا مطالعہ کرادیا جاتا تھا جو کافی ہوتا تھا۔ آج بھی ذہنی اور ادبی علوم عصریہ کو قدیم عقلیات کی جگہ نصاب میں شریک کر کے پندرہ سولہ سال کی مدت میں دینیات کے اسی مختصر نصاب کو پھیلا کر اگر رکھدیا جائے تو میری یہ تجویز کہ مسلمانوں کو کوئی ایسی تعلیم نہ دلائی جائے جس میں دینیات کو وہی اہمیت حاصل نہ ہو جو اہمیت ہر زمانہ میں ہر ملک کے مسلمانوں نے اپنے اپنے تعلیمی نصاب میں دے رکھی تھی بہ آسانی برروئے کار آسکتی ہے۔ دینیات کے نام سے مسلمان اگر اپنی تعلیم میں اس مضمون کے لزوم کا مطالبہ حکومت سے کریں اور دینیات کے نصاب کو اس طریقہ سے مرتب کریں کہ دینیات کے لئے قرآنی عربی اور قرآنی عربی سے قریب کرنے کے لئے ابتدا میں اردو، قدرے فارسی اور اس کے بعد بی۔ اے تک قرآن حدیث فقہ کے متعلق ایک ایک کتاب تقسیم کر کے رکھدی جائے تو مسلمانوں کے سارے علمی تعلیمی مشکلات خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اردو کے لزوم کا موقع بھی ملجاتا ہے، فارسی سے بھی مناسبت بچوں کو پیدا ہو جاتی ہے اور براہ راست ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو قرآن و حدیث و فقہ سے استفادہ کا موقع ہاتھ آجائے گا۔ مگر ظاہر ہے کہ ان نکات تک ہر شخص کو کھینچ کر لے آنا آسان نہیں ہے۔ بہت سے حضرات عربی اور اس کے مشکلات سے بھڑکے ہوئے ہیں۔ ہمارے مولویوں کو یہ مغالطہ ہے کہ دینیات کی تعلیم سلم۔ حمداللہ اور متنبی کے ساتھ توجمع ہوسکتی ہے لیکن مل کی منطق شکسپیر کے اشعار کے ساتھ اگر اسی دینیات کو جمع کیا جائیگا تو لوگ دہریے ہو جائیں گے حالانکہ نہ یہ صحیح ہے اور نہ وہ صحیح ہے۔ جب تک اللہ کا کوئی بندہ ہر چیز سے دست بردار ہو کر اس راہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں قدم نہ اٹھائیے گا تعلیم کا مسئلہ حل نہ ہوگا مسلم یونیورسٹی میں دینیات کی تعلیم کے لئے اسی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے جنھوں نے مغربی علوم وفنون سے اپنے دل ودماغ کو روشن کیا ہو اور آخر میں اسی دماغ کے ساتھ مذہب کا مطالعہ صحیح نقطۂ نظر سے کیا ہو۔"

(صدق مورخہ یکم فروری ۱۹۴۴ء)

اس بیان کو غور سے پڑھیئے تو اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کی قومی تعلیم کا تعلق ہے ان کے لئے تعلیم قدیم وجدید کا امتیاز یورپ کی ایک بدعت کے سوا کچھ نہیں۔ مسلمانوں کا نصاب تعلیم ہر قرن اور ہر ملک میں علوم دینیہ اور علوم عصریہ وعقلیہ پر جن کو آج کل کی مذہبی زبان میں علوم دنیویہ بھی کہتے ہیں یکساں مشتمل رہا ہے اور مسلمانوں میں کوئی شخص اس وقت تک عالم کہلا ہی نہیں سکتا تھا جب تک وہ ان سب کا علم نہ حاصل کرتا ہو۔ پس اگر پہلے زمانہ میں ہمارا کوئی عالم بطلیموسی ہیئت، یونانی منطق اور اقلیدس و فلسفہ کے جانے بغیر مستند عالم اور فاضل نہیں بن سکتا تھا تو آج ہمارے جو علماء عہد حاضر کے علوم وفنون سے (جو گذشتہ علوم کے بالمقابل یقیناً کہیں زیادہ ترقی یافتہ یقینی اور مفید و نتیجہ خیز ہیں) بالکل ناآشنا اور نابلد ہیں، ہم ان کو کیونکر مستند اور معتبر عالم تسلیم کریں۔ اگر ہمارے بزرگوں کو یونانی سفوات وخرافات کی علوم دینیہ کے ساتھ آمیزش سے دین کے لئے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا (حالانکہ اسی نصاب کو پڑھکر بعض لوگ ملحد وزندیق بھی ہوجاتے تھے) تو آج ہم یہ کیوں فرض کرلیں کہ موجودہ علوم مغربی فلسفہ، سائنس، جغرافیہ، اقتصادیات اور سیاسیات کو پڑھکر ہمارے نوجوان گمراہ ہوجائیں گے، علی الخصوص جبکہ ان کو ان علوم کے ساتھ تفسیر، حدیث اور فقہ کی بھی تعلیم ملے گی" اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مولانا نے ہمارے قدیم نصاب تعلیم کے اس گوشہ پر روشنی ڈال کر ایک ایسی واضح اور کھلی حقیقت کا اظہار فرمایا ہے جس کا کوئی ایک شخص بھی انکار نہیں کرسکتا۔"

لیکن مندرجہ بالا بیان سے کسی کو یہ مغالطہ نہ ہونا چاہیئے کہ مولانا کے نزدیک اب عربی مدارس کے وجود کی ضرورت ہی نہیں ہے بس دینیات کے لئے کالجوں میں تفسیر حدیث اور فقہ کی تین چار کتابوں کی تعلیم وتدریس کافی ہوگی، ہم سمجھتے ہیں مولانا ایسے سنجیدہ اور بزرگ عالم کی ہرگز یہ رائے نہیں ہوسکتی، بلکہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بی اے تک کے درجہ کا نصاب اس طرح ملا جلا ہو، اس کے بعد مرحلہ آتا ہے کسی ایک علم میں مہارت و تکمیل کا۔ تو اب ہر شخص کو اختیار ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے مذاق اور طبعی رجحان کے مطابق کسی ایک علم یا لائن کا انتخاب کرلے پس تعلیمی سفر کی اس منزل میں تفریق کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے۔ جس طرح تعلیم جدید کا حلقہ یہاں پہنچکر مختلف شعبوں مثلاً ڈاکٹری، انجنیرنگ، زراعت، سائنس اور فنون (Arts) میں بٹ جاتا ہے اور پھر ہر شعبہ کے لئے الگ الگ ایک کالج ہوتا ہے جو محض اسی کی تعلیم کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ان مختلف علوم و فنون کی خصوصی تعلیم کی درسگاہوں کے دوش بدوش اعلیٰ درجہ کے دینی مدارس بھی ہونے چاہئیں تاکہ جو گریجویٹ مفسر محدث، فقیہ یا مفتی بننا چاہے وہ ان مدارس میں داخل ہو کر علوم دینیہ کی تکمیل کرلے اور ان میں مہارت پیدا کرلے پہلے زمانہ میں بھی یہی تھا۔ عام نصاب سے گذرنے کے بعد جو شخص محدث بننا چاہتا تھا وہ برسوں تک کسی ایک بڑے محدث کی ملازمت کرتا تھا۔ جو ادب میں کمال حاصل کرنے کا خواہشمند ہوتا وہ کسی نامی گرامی ادیب کی خدمت میں ایک زمانہ بسر کرتا تھا وقس علیٰ ہذا۔

آج شخصی اور انفرادی اساتذہ کی جگہ مدارس اور تعلیم گاہوں نے لے لی ہے۔ اس لئے ہر فن اور ہر علم کی تکمیل کے لئے الگ الگ درسگاہیں ہونی چاہئیں اور اس بنا پر مدارس دینیہ کا الگ اور مستقل وجود بھی نہایت ضروری ہے

پس ہمارے نزدیک اگر مولانا کے بیان کا تجزیہ کیا جائے تو اس کا حاصل یہ نکلتا ہے۔

(۱) کالجوں میں اور مضامین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینیات کی تعلیم لازمی کی جائے لیکن محض رسمی طریقہ پر نہیں جیسا کہ اب بھی ہماری بعض قومی تعلیم گاہوں میں ہے جن کی عمارتوں پر مسلم یا اسلامیہ کا لیبل لگا ہوا ہے بلکہ اس کا نصاب قرآن، حدیث اور تفسیر پر مشتمل ہونا چاہیئے اور ان علوم میں درک پیدا کرنے کے لئے بقول مولانا کے جتنی "قرآنی عربی" درکار ہے اس کی تعلیم بھی لازمی اور ضروری ہونی چاہیئے، یہ نہیں کہ محض اردو کے چند رسالے نصاب میں رکھدیئے اور یہ فرض کرلیا کہ دینیات کی تعلیم کا حق ادا ہو گیا۔

(۲) دوسری جانب قدیم طرز کے مدارسِ عربیہ میں یہ ہونا چاہیئے کہ منطق، فلسفہ، اور ہیئت وغیرہ علوم عقلیہ کو خارج کر کے ان کی جگہ موجودہ علوم و فنون کو داخل کیا جائے تاکہ تشحیذ اذہان کا فائدہ

© rasailojaraid.com